تبسم کاشمیری کی شاعری میں مثالیت پسندی

فرحت عباس
محمد افضل حمید

Abstract:

The Greeks eminent as they were almost in every department did surprisingly greater in the sphere of philosophical thoughts to dig out the real reality encompassing the phenomenon realities of universe so in order to realize and recognize the real reality propounded the theory of idealism depicting the hidden realities to rebut the materialism. The characteristic of idealism are not stranger to Urdu literature. Tabbasum Kashmiri as a poet ensnared the idealism in his thoughts and put forth the unerses having real realities therein. Various poems are departure from the ugly realities of the universe and proof of those factors which are the basis of idealism. The things of verses are not real but the perceptive reality in his mind leads to real reality and it may be found out after deeper appreciation of his poetry.

ڈاکٹر تبسم کاشمیری ایک معروف محقق، نقاد اور شاعر ہیں۔ ان کی تصانیف کافی تعداد میں پائی جاتی ہیں۔ ''پرندے پھول تالاب'' ان کے مجموعۂ کلام کا نام ہے، اس میں 'تمثال اور دوسری نظمیں'، 'نوحے تخت لاہور کے'، 'پرندے پھول تالاب' اور سرخ خزاں کی نظمیں شامل ہیں۔ جدید شاعری میں باکمال کلام کی وجہ سے خاصی شہرت کے حامل ہیں۔ ان کی شاعری میں انواع واقسام کے مضامین موجود ہیں۔ اس تنوع کی بنا پر ان کے کلام کو خاص اہمیت وشہرت حاصل ہے۔ نظم اپنے عنوان کو محور مان کر اس کے گرد گھومتی ہے اس رقص میں جو لطف ہے وہ قاری کی نشاط کا باعث بنتا ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں راقم نے ان کے جملہ کلام کا احاطہ نہیں کیا بلکہ ان کی شاعری میں مثالیت پسندی کے جو عناصر نمایاں ہیں ان کی نشاندہی پر توجہ مرکوز کی۔ حد براری کے اس عمل میں چند نظموں کو بطور امثلہ شامل کیا گیا ہے۔ مدعا یہ ہے کہ تبسم کاشمیری کس انداز میں نظموں کے بطون میں حقیقتِ حقیقی کو پوشیدہ کرتے ہیں۔

ظاہری نظم جو عمومی افکار کی حامل نظر آتی ہے لیکن بنظر غائر اس جادۂ منزل کا سراغ ملتا ہے جو حقیقتِ مطلق کی جانب رواں ہے۔ مادیت پسندوں کے خیال میں مادہ حقیقی ہے اور ذہن اس کی نمود ہے اس کے برعکس مثالیت پسندوں کا دعویٰ ہے کہ ذہن حقیقی ہے اور مادہ اس کا عکس ہے۔

''خارجی اشیا بہ امداد آلات حس ذہن پر عامل ہوتی ہیں آلات حس آگہی کا ذریعہ ان کی عدم موجودگی شہادت ظاہرہ سے عاری کر دیتی ہے۔ باالفاظ دیگر آلات حس خام مواد کی فراہمی کا سبب بنتے ہیں۔''[۱]

تاریخ میں مادیت پسندوں اور حقیقت پسندوں کے درمیان وجہ نزاع یہ ہے کہ حقیقت فی الواقع ہے کیا۔ اس نزاع میں ایک صورت یہ پیدا ہوئی کہ مظاہر کائنات کی براہ راست توجیہہ اور تشریح سے حقیقت تک رسائی ممکن ہے۔ مثالیت پسندی میں عارضی مت اور اسرار کے باطنی عناصر شامل ہو گئے۔ افلاطون کو مثالیت پسندی کا بانی قرار دیا جاتا ہے۔ ''اس کے نظریات میں عقلیت اور عرفان منطق اور باطنیت مزوج صورت دکھائی دیتے ہیں۔''[۲]

افلاطون کے نظریات اس امر پر دال ہیں کہ افلاطون نے دیگر مفکرین بشمول سقراط کے مروجہ نظریات میں مطابقت پیدا کر کے اپنا نظام مرتب کیا اس نئے فیثا غورث کو اس کا ماخذ قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

''فیثا غورث کے خیال میں اس دنیا میں ہم اجنبی ہیں جسم روح کا قرار ہے اس کے باوجود خودکشی کر کے اس سے نجات نہیں پانا چاہیے کیوں کہ ہم غلام ہیں۔ ہمارا آقا خدا ہے جس کے حکم کے بغیر ہمیں اس دنیا سے فرار کی اجازت نہیں۔''[۳]

فیثا غورث کے نظریہ کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ فکر حواس سے برتر اور وجدان شاہد سے افضل۔ وجودیاتی نظریہ مادیت ہے جو حقیقت کی ماہیت کے متعلق حسب ذیل جواب دیتا ہے۔ ''حقیقت اصلی جسم سے امتداد اور ناقابل نفوذ ہوتا اس کے اوصاف میں داخل ہے۔''[۴]

ایلاطی فلسفہ کا مطالعہ شاہد ہے کہ اس نے کائنات کی تشریح ایک ہی اصلی اصول سے کرنے کی کوشش کی اور ثنویت سے وقوع پذیر ہونے والے افکار کی نفی ہے۔ اس طرح وہ خدا کے شخصی تصور، روح کی بقا اور قدر و اختیار کے فکر سے لاتعلق ہوتے نظر آتے ہیں اور ایک حقیقتِ مطلق کا تصور اجاگر کرتے ہیں۔ اس فکر میں مابعد الطبیعات کے اسد جدلیات وجود پاتی ہیں تصوف اور سائنس کے درمیان ظاہری کش مکش کے نتیجہ میں ایک کل کی صورت وقوع پذیر ہوتی ہے۔ ان مفکرین سے حس اور عقل، غیر مرئی حقیقی اور مرئی غیر حقیقی، ظاہر اور باطن میں تفریق کو مثالیت پسندی کا تصور پیدا ہوا۔ پارمی نائڈ پس کہتا ہے کہ: ''صداقت عقل استدلالی میں سے عالم حواس محض فریب نظر ہے۔''[۵] سوفسطائی اس فرق کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ صرف حواس کو علم کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

صداقت کا حصول عقل سے ممکن ہونے کے اصول کا مطلب یہ ہوا کہ علم تجریدات فکری سے یعنی عقلی استدلال

سے حاصل ہوتا ہے یہ تجریدات فکری نہ صرف ایک قانون میں بلکہ مستقل بذّ ات ہونے کی وجہ سے حقیقت بھی ہیں گویا یہ حقائق امثال قرار پاتے ہیں اوران امثال کی حقیقت کو جان کر یہ کہنا مشکل نہیں ہے کہ کائنات کی حقیقت انہی امثال پر مشتمل ہے۔امثال سے متعلق یہ انداز فکر کہ حقیقتِ مطلق امثال پر مشتمل ہے ایک مرکزی اصول کی حیثیت اختیار کر گیا۔حقیقت مستقل ہوتی ہے اس میں نہ کمی ہوتی ہے نہ بیشی یہ تغیر پذیر بھی نہیں ہے اس لئے مستقل بذات ہونے کی بدولت مادی عالم کے تغیرات سے اثر قبول نہیں کرتی۔

اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ یہ حقیقت کب سے موجود ہے۔اس لیے حقیقت کو ازل سے مرتب و مدون فرض کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔اس کے برعکس مادہ تغیر پذیر ہے لیکن مادہ کی حقیقت مسلم ہے لیکن چونکہ یہ ردوبدل کا حامل ہے اس لئے مادہ حقیقی تصور کیا جانے کے باوجود حقیقی نہیں مثالیت پسندی میں حقیقی عالم امثال کا عالم ہے جس کا ادراک صرف عقل سے ممکن ہے باالفاظ دیگر وہ عالم جسے حواس سے جانا جاتا ہے غیر حقیقی ہے۔بغور دیکھا جائے تو ایک طرف عالم مادی سے جداگانہ حیثیت میں حقیقت موجود ہے دوسری طرف مادی ہے جس سے اشیا کی تخلیق ہوتی ہے اور یہ اپنی صورت بدلتا رہتا ہے۔افلاطون کے فکر کا تجزیہ کیا جائے تو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ امثال مستقل بالذات جواہر ہیں۔ یہ حقائق مطلق میں جو کائنات کا بنیادی اصول ہے جو دو معنوی نہیں بلکہ معروضی ہے زمان و ماورا کی حقیقت سے بھی ماورا ہے۔گویا عالم امثال حقیقی عالم ہے۔یہ اس امر کا شاہد ہے کہ انسانی تجربے کے دو ماخذ ہیں یعنی حسی ادراک اور عقلی استدلال۔حسی ادراک حواس کی دنیا سے متعلق ہے جبکہ عقلی استدلال حقیقت پر منتج ہوتی ہے جو فی الواقع امثال کی دنیا ہے۔حقیقت چونکہ ہمیشہ حقیقت ہوتی ہے اس لئے تغیر پذیر نہ ہونے کی بنا پر ازلی وابدلی ہے۔ازلی وابدلی کیفیت کو امثال سے تعبیر کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ظاہر عالم کی اشیا امثال نہ ہوئی تو یہ امثال کی نقل ہوں گی۔ مادی دنیا میں موجود اشیا جاری وساری ہونے کے باوجود ماورا میں اپنا ایک وجود بھی رکھتی ہیں۔یہ ایک مفروضہ نہیں ہے بلکہ وجود مطلق غائب ہونے کے باوجود موجود ہے مثلاً عدل خیر،حسن وغیرہ حقیقت میں ہیں اور اپنے وجود کے تابع مستقل بذات ہیں۔''امثال کے تعلق باہمی کو معلوم کرنے کے علم کو افلاطون نے جدلیات کہا ہے۔''[۶]

جدلیات کا پہلا عمل امثال کا تعین کرنا پھر ان کے اختلاف واشتراک کو متعین کر کے حقیقی عالم امثال تک رسائی حاصل کرنا ہے۔مثالیت پسندی کا تجزیہ کرنے پر یہ امر عیاں ہوتا ہے کہ علم حواس سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ عقل سے حاصل ہوتا ہے۔افلاطون کے نظریہ امثال کو ارسطو نے من وعن تسلیم نہیں کیا۔ازلی امثال کو تو حقیقی تسلیم کر لیا لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا:'امثال مادی اشیا سے علیحدہ کسی عالم مثال میں موجود نہیں ہیں بلکہ ان ہی میں جاری وساری ہیں۔''[۷]

اس نظریے کے مطابق ہر مادی شے اپنے مثل کی طرف حرکت کر رہی ہے۔حرکت نام ہے مثال اور مادہ کے آپس میں مل جانے کا۔مادہ موجود ہے اور مثل کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔مثل فعلیت ہے جسے قبول کرنے

کی مادہ صلاحیت رکھتا ہے۔المختصر افلاطون اور ارسطو کے نظریہ میں یہ بنیادی فرق ہے کہ افلاطون عالم حواس کو غیر حقیقی کہتا تھا اور اسے عالم ظواہر سمجھتا تھا جبکہ ارسطو عالم حواس یا عالم حقیقی کو حقیقی عالم مانتا تھا ہر شے مادہ اور ہیت کا مرقع ہے ان کا تعلق عضویاتی ہونے کی وجہ سے یہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں۔ جب کائنات سے متعلق انسان کا نقطہ نظر یہ بدل گیا تو جدید نظریات کی روشنی میں فلسفے کو از سر نو مرتب کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس ضمن میں یا بس بیکن اور ڈیکارٹ نے غور و فکر کے میدان کو وسعت عطا کی ڈیکارٹ کا نظریہ تشکیل سے شروع ہوا وہ اپنے نظریہ کو محکم اساس فراہم کرنے کا خواہاں تھا۔اس کے خیال میں وہی شے صداقت کی حامل ہوتی ہے جو اتنی ہی واضح ہو جتنا کہ اس کا اپنا وجود یقینی ہے۔اس کا وجود ہے چونکہ یہ یقینی طور پر ہے اس کا جو ہر ذہن ہے جو وجود نہیں رکھتا لیکن سوچتا ہے اور سوچنا ہی اس کے وجود کی حقیقت کی بین دلیل ہے اسی طرح اس کی ذات اور افکار حقیقی ہیں۔اس طرح ڈیکارٹ کے نظریہ میں موضوعیت کا عنصر نمودار ہو گیا نتیجاً یہ امر واضح ہوا مادہ کے وجود کا انحصار ذہن پر ہے ڈیکارٹ نے پہلا نتیجہ یہ اخذ کیا کہ:''روح جسم سے کلی طور پر آزاد ہے اور جسم کی بہ نسبت اسے جاننا زیادہ سہل ہے اس لئے جسم کے نابود ہونے کے بعد بھی روح باقی رہے گی۔''[۸]

ڈیکارٹ کے فلسفہ میں موضوعیت کا عنصر نمودار ہوا اور مادیت کو ذہن کے تابع تصور کیا گیا کہ نقطہ نظر یہ مثالیت پسند سے مماثلت کا حامل ہے۔روح کو جسم سے جداگانہ حیثیت میں مان کر یہ قرار دیا گیا کہ جسم فنا ہوگا اور روح باقی رہے گی۔کہا جا سکتا ہے کہ ڈیکارٹ نے جو تصور پیش کیا اس کا دار و مدار مشاہدہ نفس پر ہے موضوعیت کے اس رجحان نے فلسفہ جدید میں مثالیاتی نظریہ پر اپنے نقوش کندہ کر دیئے جارج برکلے نے اس نظریہ کو تقویت دی کہ مادہ کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔اس کے نظریے کو موضوعی مثالیت کا نام دیا گیا ہے۔''اس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اشیا صرف ذہن میں موجود رہ سکتی ہیں۔''[۹]

مادیت پسندوں کے برعکس مثالیت پسندوں نے یہ آواز بلند کی کہ علمی دنیا میں جو اصول علم کارفرما ہیں دراصل ان کی اساس یہ ہے کہ مادہ کا کوئی وجود نہیں ہے۔یہ نظریہ موضوعی مثالیت پسندی کہلایا۔اس کی رو سے اشیا کا عینی دنیا میں کوئی وجود نہیں بلکہ یہ ذہنی دنیا میں موجود ہیں موجودات کے لیے ضروری ہے کہ یہ ادراک سے وابستہ ہوں۔

دراصل یہ مادی دنیا کا انکار نہیں ہے بلکہ تمام مادی اشیا خیالات کے تابع ہیں اس لئے یہ ذہن میں موجود ہوتی ہیں۔بارکلے خیال اور حس کو ضروری سمجھتا ہے علی عباس جلال پوری نے برکلے کے خیال کو اس طرح بیان کیا:

> ''فرض کیجئے کوئی شخص اعتراض کرے کہ کوئی بھی آدمی کسی درخت کو دیکھنے والا نہ ہو تو کیا درخت معلوم ہو جائے گا تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ اس صورت میں درخت خدا کے ذہن میں موجود ہو گا۔''[۱۰]

دراصل بارکلے نے منطقی استدلال کے نتائج سے فرار کے لئے خدا کا سہارا لیا۔دور جدید میں کسی شے کی

موجودگی مدرکات پر مشتمل ہےاس لئے ذہنی کیفیات ہی علم میں آسکتی ہیں۔اس کے نتیجہ میں یہ نظریہ پیدا ہوا کہ ذہن ایک فعال قوت ہے جوادراکات پر عامل ہوکرعلم کو وجود عطا کرتا ہے یہ نظریہ ماورائی مثالیت کی مثال ہے۔اس کی رو سے عالم دوحصوں میں منقسم ہے عالم ظواہراور عالم باطن۔

جدید طبیعات نے مادہ اور ذہن کے تصور کومبدل کر دیا ایک قدرِ مشترک ہے۔حقیقت کی اساس ذہن کوقرار دیتے ہوئے یہ خیال تقویت کا حامل ہوتا ہے کہ انسان چونکہ ذہن رکھتا ہےاس لئے کائنات کی تفہیم میں شعوری عمل ایک خاص حیثیت کا حامل ہے۔کائنات ایک ذات ہے اگر کائنات میں معروضی معانی ہیں تو حقیقت کی تہہ میں ذہنی حیات کارفرما ہے۔کائنات بامعانی اورصفت کی حامل ہونے کی صورت میں انسان کے لئے اجنبی نہیں ہوسکتی۔ مثالیت پسندی کے مختلف نظریات پیش ہوتے رہےاوران پرردِعمل بھی ہوتا رہا۔''جدید طبیعات نے مادے کے ٹھوس ہونے کے تصور کا ابطال کر کے قدیم مادیت کی نفی کی ہے۔''[۱۱]

اس صورتِ احوال نے مثالیت پسندی کے روایتی نظریہ کورد کر دیا۔یہ سوال جواب کا متقاضی ہے کہ کائنات انسان کے ذہن کی تخلیق ہے یا انسان ذہن اور آفاقی ذہن اصلاً ایک ہیں۔مثالیت پسندوں کے نزدیک کائنات باشعور ہے۔علم ہیت کی ترقی کے ساتھ ساتھ مثالیت پسندی کے مفہوم میں ایک حد تک تبدیلی رونما ہوئی اورانسان کا کائنات سے قلبی رشتہ منقطع کی طرف گامزن ہوا۔لیکن یہ ایک بین حقیقت ہے کہ ہر صدی پتا چلتا ہے کہ مثالیت پسندی کیا تصور دیتی ہے؟ کہ کائنات اوراس کی تمام اشیا حقیقت نہیں بلکہ حقیقت کی پرچھائیں ہیں۔مطاہر ترمذی نے حقیقت کی چار اقسام بیان کی ہیں۔پہلی حقیقتِ مظہریت کوقرار دیا اس کے معنی یہ ہوئے کہ جو کچھ نظر آرہا ہے عینی دنیا میں محسوس ہو رہا ہے وہ مظہریت ہے اس طرح یہ کائنات حقیقت کی بجائے حقیقت کا مظہر قرار پاتی ہے۔ مظہریت اگر حقیقت نہ ہوتو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ حقیقت کہیں اور ہے اس خیال کو یوں بیان کیا گیا ہے۔''حقیقی کائنات اور دنیا کہیں اور ہے جسے تصوراتی یا روحانی دنیا کہہ سکتے ہیں۔''[۱۲]

عینی دنیا فی الواقع حقیقت کا پرتو ہے۔اس کائنات میں جو کچھ نظر آتا ہے وہ حقیقت نہیں ہے چونکہ وجود پانے سے قبل کہیں موجود تھا۔مثالیت پسندی جب عینی دنیا کو عکس قرار دیتی ہے تو اس کے نتیجہ میں دو دنیاؤں کا تصور ابھرتا ہے یہ تصور جب ذہن رسا کے پردہ سیمیں پر کندہ ہوتا ہے تو فکر کو دعوت دیتا ہے کہ یہ کیا ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس حقیقت سے آگہی جو فی الواقع حقیقت نہیں ہوتی ہمارے ادراکیت کی مرہون منت ہے۔گویا ادراک وہ ہے جو حقیقت عینی دنیا کے تصور کے بعد ذہن میں وجود پاتا ہے اسے بھی حقیقت گردانا جاتا ہے۔مطاہر ترمذی نے ایسی حقیقت کو جو آگہی کی منزل پر بہ امداد ادراک پہنچ پائی ہو حقیقتِ مدرکہ سے تعبیر کیا۔حقیقتِ مدرکہ تصورات کی بنیاد پر وجود پائی ہےاس لئے اسے حتمی طور پر حقیقت تصور نہیں کیا جاسکتا مادی اشیا جو اس کائنات میں نظر آتی ہیں وہ مظہریت ہیں لیکن جب انسانی ذہن ان پر عامل ہوتا ہے تو ایک خاص قسم کی آگہی حاصل کرتا ہے یہ آگہی حقیقت بھی ہوسکتی ہے اورنہیں بھی،صحیح بھی ہوسکتی ہے اور غلط بھی لیکن حقیقتِ مدرکہ کا حصول یقین کامل کا حامل نہیں ہوتا یہ ذہنی عملیت کے

نتیجہ میں وجود پاتا ہے۔مختلف اذہان اختلاف ہو تو تضادات حقیقت قرار نہیں پاتی۔ ذہنی رائے تغیر پذیر ہے اور فرداً فرداً مختلف اس لئے حقیقت کی یہ منزل ادراکیت پر محمول کی جاتی ہے۔ایسی صورتِ احوال میں کائنات کی حقیقت ذہن میں جداگانہ ہوتی ہے جو فی الواقع حقیقت نہیں ہے۔مثالیت پسندی پس پردہ اس حقیقت کا تصور پیش کرتی ہے جس کا تمام وجودات عکس ہیں۔اس مرحلہ پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مظہریت حقیقت نہیں، ادراکیت حقیقت نہیں تو پھر یہ سب کچھ جو زیرِ نظر ہے کیا ہے۔

''مظاہرات کی دنیا کو عام افراد آسانی سے سمجھ لیتے ہیں۔ جو چیزیں ہمیں نظر آرہی ہیں محسوس کی جارہی ہیں ان کا علم آسانی سے حاصل کیا جاسکتا ہے جبکہ حقیقت اور صداقت کی تلاش عام افراد نہیں کرسکتے۔'' ۱۳؎

مثالیت پسندی اس امر کی غماز ہے کہ عینی دنیا ٹھوس، مائع اور گیس پر مشتمل ہے اگر توانائی کو اس میں شامل کرلیا جائے تو وہ بھی مادہ ہی تصور کی جائے گی۔لیکن ظاہری دنیا اصل دنیا نہیں ہے مادہ تغیر پذیر ہوتا ہے اس لئے اس کے ذریعہ تیقن کی منزل حاصل نہیں کی جاسکتی۔ مادہ کے تغیرات ذہنی افکار کے مبدل ہونے کا باعث بنتے ہیں لہذا اسے حقیقتِ حقیقی نہیں سمجھا جاسکتا عینی دنیا مادی ہے اس لئے ظاہر ہے اور مظہریت ہے جبکہ مظہریت ذہن سے پرکھنے پر ادراکیت پر محمول ہوتی ہے باالفاظ دیگر محض ادراکیت حقیقتِ حقیقی نہیں ہوتی لیکن کب حقیقتِ حقیقی ہوتی ہے اور کب نہیں ہوتی یہ فلسفہ کا اہم سوال ہے۔مطاہر ترمذی نے حقیقتِ حقیقی کو عقل پر منطبق کیا ہے۔عقل اور علم میں کوئی تضاد نہیں اس لئے جو شے جیسی ہے وہ ہے اسے ویسا ہی جان کر حقیقتِ حقیقی پر منطبق کیا جاسکتا ہے۔اس لئے حقیقت حقیقی اشارہ ہے حقیقتِ مطلق کی منزل کا اس مرحلہ پر مثالیت پسندی کا وہ اصول واضح ہوتا ہے جو مادیت اور تصوریت کو جدا کرتا ہے۔ مادہ حقیقی شے نہیں بلکہ جس کا پرتو ہے وہ حقیقت ہے۔گویا ہر شے کی حقیقت پہلے سے موجود ہے فلسفہ تصوریت میں یہ بات اہم ہے کہ:''علم وہی ہوگا جو خالق کی پیداوار ہو انسانی ذہن کوئی نئی حقیقت معلوم نہیں کرسکتا کیونکہ وہ پہلے سے تصورات میں موجود ہوتی ہے......'' ۱۴؎

الغرض مثالیت پسندی کا مرکز تصورات پر مبنی ہے۔ مادہ بعد میں تصور پہلے۔تصور کے بغیر مادہ کا وجود محال۔ تصور میں حقیقت کی تلاش عقل سے ممکن ہے۔تمام اشیا کو عکس مان کر ان کی حقیقت کی تلاش تخلیق کار کا اہم عنوان رہی ہے۔ڈاکٹر سہیل احمد لکھتے ہیں:''مثالیت یا عینیت پسندی کلاسیکیت کی ضد ہے دوسری جانب حقیقت پسندی فکر کی ضد ہے۔'' ۱۵؎

ادب میں تخلیق کاروں کی دو صفیں نظر آتی ہیں ایک وہ ہیں جو مظاہر کو حقیقت مان کر تخلیقی تفکر کو ایڑ لگاتے ہیں، دوسرے وہ ہیں جو مظاہر کے پس پردہ حقیقت حقیقی کے متلاشی ہوتے ہیں۔

پہلی صف میں شامل تخلیق کار موجودات کو جیسی وہ ہیں ویسے ہی بیان کرتے ہیں۔مظہریت کو حقیقت مان کر

اس پر قصرِ تخیلات کو تعمیر کرتے ہیں جبکہ دوسری صف میں شامل تخلیق کار مظاہر اور مظہریت کو درخور اعتنا نہیں سمجھتے بلکہ موجودات اپنے وجود کے باوجود جیسی ہونی چاہیں اس پر تفکر کرتے ہیں۔''فن یا ادب میں زندگی کو اس طرح پیش کرنے کی بجائے جیسی کہ وہ ہے اس طرح پیش کرنا جیسی کہ اسے ہونا چاہیے عینیت ہے۔''[۱۶]

باالفاظ دیگر مثالیت پسند تخلیق کار موجودات کی ظاہری ہیت پر توجہ مرکوز نہیں کرتا بلکہ اسے پر چھایاں سمجھ کر اس حقیقت کا متلاشی ہوتا ہے جو اس کے پس پردہ کارفرما ہیں۔

تبسم کاشمیری کے کلام پر نظر ڈالنے سے اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ وہ ظاہری ہیت پر قناعت نہیں کرتے بلکہ اس کے پس پردہ عوامل کا کھوج لگا کر موجودات کو جیسا فی الواقع ہونا چاہیے ویسا ہی تلاش کرتے ہیں۔اس طرح یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ تبسم کاشمیری بیک وقت مادیت پسند اور مثالیت پسند ہیں ان کے کلام کا بنظر غائر جائزہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے اشیا کو دیکھا ان مظاہر قدرت کو جیسے کے وہ ہیں پر نظر ڈالی جب یہ مظاہر قدرت خاطر مکنون سے ٹکراتے ہیں تو دو طرح کے ردِعمل پیدا کرتے ہیں ایک طرف دریافت کا یہ عمل شروع ہوتا ہے کہ اشیا کی ظاہری کیفیت و ہیت کیسی ہے؟ دوسری طرف اس پر ردِعمل پیدا ہو کر تخلیقی تفکر اس سمت میں گامزن ہوتا ہے کہ ان کی حقیقت کیا ہے اور انہیں کیسا ہونا چاہے۔ یوں یہ کہنے میں کوئی امر مانع نہیں کہ تبسم کاشمیری تیسری صف کے پاسبان ہیں اور ارباب دانش کو دعوتِ فکر دیتے ہیں کہ انہوں نے جس عنوان پر جو کچھ بھی لکھا وہ بادی النظر میں کچھ اور ہے جب کہ اس کے پس پردہ دیگر عوامل کارفرما ہیں جن کی جستجو سے یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ حقیقی دنیا میں اس کی حقیقت کیا ہے باالفاظ دیگر قاری کو ان حقائق کی طرف متوجہ کرتے ہیں جن کا عکس موجودات ظاہرہ میں نظر آتا ہے اس طرح موجودات مکنون کی جستجو کا آغاز ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں دو زاویے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا زاویہ یہ بتاتا ہے کہ موجوداتِ مکنون کی حقیقت کیا ہے دوسرا زاویہ یہ اس امر کا شاہد ہوتا ہے کہ جو اشیا جیسی کہ نظر آتی ہیں انہیں ویسا نہیں ہونا چاہے۔ مثالیت پسندی پر ڈاکٹر سہیل احمد کا مضمون زیرِ نظر لایا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ:''دوسری جانب حقیقت پسندی فکر کی ضد ہے جو ادب کی سچی اور صداقت پسند فکریات کی بنیادوں پر قائم ہوتا ہے۔''[۱۷]

علمی وفکری اساس پر حقیقت پسندی مادیت شکن بھی ہے۔اس کی رو سے مادہ ہر مادی حرکات اور توانائی کے تصورات سے احتراز ہی نہیں کرتی بلکہ اسے یکسر مسترد کرتی ہے۔ یہ امر واضح ہے کہ درحقیقت اور مادیت دو مختلف نظریات ہیں احمد سہیل کے مطابق ادب میں زندگی کو اس طرح پیش کرنے کی بجائے جیسا کہ وہ ہے اس طرح پیش کرنا جیسے اسے ہونا چاہیے مثالیت پسندی کہلاتا ہے۔ مذکورہ تعریف مثالیت پسندی کی جامع اور مکمل تعریف نہیں ہے لیکن یہ ہمیں فن پارے کو پرکھنے میں مدد دیتی ہے۔ تبسم کاشمیری اشیا کو ایسے پیش کرتے ہیں جیسی کہ وہ ہیں اور اس کے ساتھ ذہن کو اس طرف بھی متوجہ کرتے ہیں کہ اشیا کو کیسا ہونا چاہیے۔ان کی تخلیق ان دو نقاط کے گرد قصیدہ نہیں ہے بلکہ وہ فرسِ جستجو کی باگ اس طرف بھی موڑ دیتے ہیں جو حقیقت کی منزل کی خاطر سفر کا راستہ متعین کرتا ہے۔اس لئے یہ امر عیاں ہے کہ تبسم کاشمیری تیسری صف میں شامل ہیں ایک مقام پر حالات کا نقشہ کھینچتے ہیں،اردگرد پھیلے ہوئے

نظاروں کی بے تابیاں، کہسار اور پانی کے پس پردہ آہ سوزاں، گم گشتہ آشیاں پرندے بادلوں کی آوارہ ٹکڑیاں، بارش کی رم جھم ایسے عالم میں سنسان گلیاں، زبانوں پر مہر خاموشی دلوں میں آگ کا الاؤ بارش کی بھیگی ہوئی فضا میں اندر جلتی ہوئی آگ کی منظر کشی ایسے مظاہر ہیں جو ذہن و دل پر اثرات مرتب کرتے ہیں۔ گرد و نواح کی صورت کی شکست و ریخت کو ایک منظر کی شکل میں پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

آہنی منظروں میں صدائیں
سلیٹی ہواؤں میں روئے ہوئے
پرتبوں، پانیوں کی صدائیں
بھٹکتے پرندوں پھولوں کی اشجا کی
بارشوں کی ہواؤں کی برخوہ کی
اور بادلوں کی سسکتی صدائیں
جلتے ہوئے گرم رنگوں کی جلتی زبانوں کے
جلتے بدن کی صدائیں
صدیوں کی جھلسی ہوئی غم زدہ سرد مگیناہ
صدیوں کی سوکھی شکستہ زبانیں
میں جلتی شکستہ صداؤں کی آگ ہوں
میں ان آہی منظروں میں
صداؤں کے پھیلے حصاروں میں
معلوب ہوں

اس نظم کا مطالعہ شاہد ہے کہ تبسم کاشمیری نے مظاہر قدرت کو دیکھا لیکن برنگ دگر کیفیات کا حامل نظر آیا۔ اردگرد مناظر قدرت میں تند و تیز ہوا ہیں۔ بادِ صبا کا احساس نہیں ہے بلکہ تند و تیز ہوا میں ہیں جو پہاڑوں سے ٹکرا رہی ہیں پانی سے ٹکرانے والی ہوائیں جو آواز پیدا کرتی ہیں وہ نشاطِ دوست کا پیغام نہیں دیتی آشیاں سے دور بھٹکتے پرندے بے تابیٔ نظر کا سامان پیدا کر رہے ہیں۔ پرندے موسم اور بارش سے خوشگوار اثر قبول نہیں کرتے بلکہ مات و ماتم و حیران فضائے بسیط میں گم گشتہ آشیاں کی طرح بھٹکتے پھرتے ہیں۔ تبسم کاشمیری یہ بیان کرتے ہیں کہ بارش کی صدا خوش کن نہیں۔ اشجار و گل و گلزار و موسم بہار کا مژدہ نہیں سناتے بلکہ ایک ایسی صدا کے غماز ہیں جو جلتی ہوئی زمین کا منظر پیش کرتے ہیں۔ اب تبسم کاشمیری گلیوں کی طرف رخ کرتے ہیں جو حالتِ زار پرندوں، پھولوں، اشجار اور بادلوں کی ہے وہی صورتِ احوال گلیوں کی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ گلیاں پرانی ہیں اور زبان بے زبانی سے حالات پر نوحہ کناں ہیں۔ یہ مناظر قدرت دیکھ کر دل میں ایک ہوک سی اٹھتی ہے یہ مناظر قدرت ٹھنڈک اور طمانیت کا

باعث نہیں بنتے بلکہ آہ سوزاں سے لپکتے ہوئے شعلوں کی مانند ہرطرف آگ برسا رہے ہیں اس ماحول میں تیسری کیفیت یہ ہے کہ میں صداؤں کے پھیلے ہوئے حصار میں خود کو بے چین، بے قرار اور مصلوب محسوس کرتا ہوں۔ بغور جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ جو کچھ نظر آ رہا ہے وہ حقیقت تو نہیں ہے تبسم کاشمیری کا مدعا اور مقصود معلوم کیا جائے تو نتیجہ یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ حقیقت میں یہ موجودات اپنے وجود میں ایسی نہیں ہیں جیسی کیفیت کا یہ اظہار کر رہی ہیں۔ یہ اندازِ مناظر دراصل قدرت کی حقیقت نہیں ہیں اشیاء کی یہ کیفیات فی الواقع نہیں ہیں بلکہ یہ محسوسات کے تابع ہیں زمانے کے نشیب و فراز، تنگئی داماں، حالت زار، شکستہ دل اداسی کے سامان پیدا کرتے ہیں اور مناظر ایسے نظر آتے ہیں جیسے کہ یہ فی الواقع نہیں ہیں۔ یہ منظر مادہ کے شاہد ہونے کے باوجود ایک ایسی حقیقت کا اظہار ہیں جو ان میں نظر نہیں آتی۔ آشیاں، گل و بلبل، موسم بہار کہسار، صبا، فضا، ماحول تو کچھ اور بتاتے ہیں اور تبسم کا شمیری کچھ اور محسوس کرتے ہیں۔ دراصل یہ مظاہر اس کیفیت کے آئینہ دار ہیں جو مظاہر کی حقیقت نہیں بلکہ اس ہیت کے غماز ہیں جو محسوس کی جاتی ہے۔ مظاہر قدرت ایسے نہیں ہیں جیسے کہ بیان کئے گئے ہیں مدعا یہ ہے کہ جیسے یہ ہیں ویسے مجھے معلوم نہیں مجھے ان کی صورت گری ایسی معلوم ہوتی ہے جیسی کہ فی الواقع ہونی چاہیے۔ شاعر کے احساسات، جذبات، خیالات اور افکار میں ایک خواہش پوشیدہ ہے اور وہ تمام مناظر کو اپنی خواہشات کے تابع ڈھالنا چاہتا ہے۔ اشیا جیسی کہ ہیں ویسی نظر نہیں آ رہی بلکہ ویسی بیان کی گئی ہیں جیسی کہ انہیں ہونا چاہیے۔ یہ بھی گمان کیا جا سکتا ہے موجودات حقیقت نہیں ہیں بلکہ ان کی کیفیات جو تبسم کاشمیری کے ذہن پر مرتسم ہوتی ہیں وہی ان کی حقیقت ہے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دنیا میں موجود اشیا کی جو صورت احوال تبسم کاشمیری بیان کرتے ہیں اشیا کی حقیقت وہی ہے یا انہیں ویسا ہی ہونا چاہیے؟ اس سوال کا جواب تلاش کرنے پر یہ امر عیاں ہوتا ہے کہ تبسم کاشمیری نے جو ہیت وصورت و کیفیات موجودات ظاہرہ کی بیان کی ہیں وہ حقیقت نہیں ہے۔ اشیا کو بطور مظہریت پرکھا جائے تو مناظر قدرت ایسے نہیں ہیں جیسے کہ بیان کئے گئے ہیں اس لئے موجودات کا یہ تصور موجود نہیں ہے بنابریں یہ مظہریت کی آئینہ دار نہیں ہے اور مادیت کے عوامل سے دور رہے۔ یہ جو بیان ہوا وہ موجودات کے تصورات ہیں یا فی الواقع ایسے نظر آتے ہیں تو جواب بالکل واضح ہے کہ موجودات ظاہرہ مظہریت کے غماز ہوتے ہیں تصورات کے تابع نہیں۔ شاعر کے تصورات نے انہیں ایک دیگر صورت عطا کی ہے۔ اپنے جذب دروں کو مظہریت قرار دے کر یہ باور کر لیا کہ بیرونی دنیا کی کیفیت وہی ہے جو میرے اندر مچل رہی ہے لیکن اس سے یہ مراد بھی لی جاتی ہے کہ مظاہر قدرت فی الواقع اسی صورتِ احوال کے آئینہ دار ہیں جبکہ ظاہری صورت حقیقی صورت نہیں ہے۔ انہیں ایسا ہی ہونا چاہیے جیسا میں بیان کر رہا ہوں اس مرحلہ پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ظاہری ہیت حقیقی نہیں ہے جبکہ بیان کردہ صورت بھی حقیقی نہیں ہے اور نہ ہی یہ ممکنات میں تھے کہ اشیا کی صورت گری ایسی ہو جائے جیسی کہ بیان ہوئی ہے۔ جب دونوں صورتیں حقیقت کی غماز نہیں ہیں تو پھر یہ کس حقیقت پر دال ہیں۔ اس مرحلہ پر سوچ کے دھارے کو ایک خاص سمت میں اور ایک خاص زاویہ سے پرکھنا ہوگا۔ عینی دنیا کے مظاہرِ قدرت جب ذہنی دنیا میں داخل ہوئے تو یہ خیال

پیدا ہوا کہ یہ پہاڑ، ہوا، فضا، بارش،گلیاں وغیرہ ایسی تو نہیں ہیں جیسی کے نظر آ رہی ہیں تو پھر یہ کیا ہیں ان کا عرض وجوہر کیا ہیں۔ان کے علت ومعلول کی کیا کیفیات ہیں، یہ متغیر ہیں یا ساکن ان خیالات نے خاطر مکنون کو جھنجوڑ نا شروع کیا جس کے ردِعمل کے طور پر اندرونی کیفیات بیرونی دنیا کے مصداق بن گئیں جس سے جو حقیقت عیاں ہوئی وہ حقیقتِ حقیقی نہیں۔ یہ ایک خواہش کے اظہار تک محدود ہے جب کہ مثالیت پر منطبق نہیں ہوتی ایسی کیفیت، حالت اور صورت کو حقیقتِ مدرکہ پر محمول کیا جاتا ہے جو کہ ہر شخص کے ذہن میں جداگانہ ہوتی ہے دماغی فعلیت اور ذہنی عملیت کے تعلق کے نتیجہ میں ایک حقیقت کا حاصل ہونا مثالیت پسندی سے قریب تر ہے لیکن یہ حقیقتِ مدرکہ سے متجاوز نہیں ہے۔تبسم کاشمیری بیسویں اور اکیسویں صدی میں موجوداتِ مکنون کے متلاشی ہیں۔ یہ وہ دُور ہے کہ جس زمانے میں سیل گرد ہے شیرازۂ حیاتِ بشر فرد فرد ہے۔تہذیب تیغ تیز ہے قانون ظلم وجود ہے انسان متبلائے غم ورنج ودرد ہے تاریکیوں میں ڈوب چکا ہے جہاں تمام ہر شمع بجھ گئی ہے ہر ایک شعلہ سرد ہے ایسے عالم میں انسان اصل نامعلوم کا متلاشی ہے۔وہ جاننا چاہتا ہے کہ اس مظہریت کے پس پردہ کون سی حقیقت کارفرما ہے۔ یہ کائنات آئینہ ساز کا آئینہ ہے حقیقت نہیں ہے جب حقیقتِ مطلق کی دریافت سے قاصر رہتا ہے تو ندامت ہی ندامت محسوس کرتا ہے یہ ندامت اس امر کی غماز ہے کہ وہ اس کائنات کو جیسی سمجھ رہا ہے ویسی نہیں ہے۔حقیقتِ مطلق سے ناآشنائی جسم میں زہر گھولتی ہے کرب پیدا کرتی ہے تلاش میں سرگرداں رہنے والا انسان جب حقیقت کی منزل کی خاطر سفر میں تھک کر مایوس ہوتا ہے تو درد سے چیختا ہے۔تشدد، خوف، دہشت بربریت ہر طرف پھیلی نظر آتی ہے ہر طرف ندامت ہی ندامت ہے۔حقیقت کی تلاش اور اس سے ناآشنائی سے پیدا ہونے والے کرب کو تبسم کاشمیری اس طرح بیان کرتے ہیں کہتے ہیں:

رات کے معدے میں کاری زہر ہے، جلتا ہے جس سے تن بدن میرا
میں کب سے چیختا ہوں درد سے چلاتا پھرتا ہوں
تشدد وخوف دہشت بربریت
اور مغلظ رات کی رانوں میں شہوت
ایک کالا پھول بنتی ہے
شہوت جاگتی ہے گھورتی ہے سرخ آنکھوں سے
وہ چہرے نوچتی کھاتی ہے اپنے تندجبڑوں سے
یہ کیسا زہر ہے جو پھیلتا جاتا ہے معدے من
یہ کاری زہر ہے جو رات کے معدے سے ٹپکا ہے
تشدد وخوف دہشت بربریت
رات کے کالے ستم گر سیاہ ماتھے پر

ندامت ہی ندامت ہے۔

اس نظم کو مثالیت پسندی کے تناظر میں دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہوا نظر آ رہا ہے وہ مطلوب و مقصود انسانیت نہیں ہے ایسا ہونا نہیں چاہیے جیسا کہ ہوتا ہوا نظر آ رہا ہے۔انسان ابتدائے آفرینش حقیقت مطلق کا متلاشی ہے۔مظہریت حقیقتِ مطلق نہیں ہے صدیوں کے سفر میں انسان مادی دنیا کے گرد چکر لگا تا نظر آتا ہے جس کے نتیجہ میں جو صورت احوال نمودار ہوئی وہ ندامت کے سوا کچھ بھی نہیں سایہ کو جسم اور مادہ کو حقیقت جان کر کسی نامعلوم منزل کی طرف رواں دواں ہونے سے دہشت و بربریت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔تشدد اور خوف کی فضا انسان کا مقدر نہیں یہ وہ فضا نہیں جو اسے حقیقت سے روشناس کرا دے اس جہاں میں جو کچھ اور جیسا کچھ نظر آ رہا ہے وہ حقیقت نہیں ہے۔انسان اس کیفیت کا خواہاں نہیں ہے جب تبسم کاشمیری یہ سوچتے ہیں کہ اس جہاں میں حقیقت کی دریافت کرنے والا کوئی نہیں اس لئے عکسی دنیا میں زہر آلود فضاؤں کے سوا کچھ نہیں۔جو عمل جاری و ساری ہے وہ منتہارئے مقصود نہیں ہے۔مقصود و مطلوب تو حقیقتِ مطلق تک رسائی ہے انسان یہ جاننا چاہتا ہے کہ روزِ روشن میں چمکتی دمکتی اشیا کس کا پرتو ہیں انسان یہ بھی جاننا چاہتا ہے کہ ان کی تخلیق سے قبل ان کا تصور کہاں ابھرا۔وہ حقیقت کہاں ہے جس کے سائے ہماری نظروں میں سمائے ہیں وہ حقیقت کہاں پوشیدہ ہے جس کا عکس مادیت کی صورت میں نمودار ہو کر ہماری نظروں کو خیرہ کرتا ہے۔اس وقت رات کے کالے ستم گر ماتھے پر جو ندامت ہے وہ محض اس لئے ہے کہ حقیقتِ مطلق جیسی کہ وہ ہے ابھی دریافت طلب ہے۔باالفاظ دیگر تمام غم و آلام کا مداوا حقیقت کی منزل کی دریافت میں مضمر ہے تبسم کاشمیری وقت کا نقشہ کھینچ کر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حقیقتِ مطلق سے عدم واقفیت اور حقیقت حقیقی سے دوری کے نتیجہ میں ہم بھٹکتے پھرتے ہیں۔ضرورت اس بات کی ہے کہ موجودہ صورت احوال کا مداوا کرنے کے لئے تلاش حقیقت کی جائے اور یہ جان لیا جائے کہ کائنات اصل الاصول نہیں ہے۔

جب انسان اسرارِ کائنات اور رموز مخلوقات کی جانب توجہ مبذول کرتا ہے تو شمس و قمر ستاروں و سیاروں کے ہجوم میں زمیں کو دیکھتا ہے زمیں پر موجود نباتات، جمادات، معدنیات، حشرات اور دیگر مخلوقات پر نظر پڑتی ہے تو یہ احساس انگڑائی لیتا ہے کہ انسان کی حیثیت ذرہ ناچیز سے بھی کم تر ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟ حقیقت تو کسی شے کی بھی نہیں ہے۔سب پانی کا بلبلہ ہے۔یہ تو حقیقت ہے ہی نہیں تو پھر حقیقت کہاں ہے؟ اگر یہ سب کچھ حقیقت نہیں تو پھر میں تنہا ہوں۔حقیقت سے دور ہوں۔یہ جو کچھ میرے پاس ہے یہ تو ہے ہی نہیں اس کا ظاہری وجود تو کسی دیگر حقیقت کا عکس ہے جب حقیقت پاس نہیں، میرے ساتھ نہیں ہے تو ذہن میں خیالِ حقیقت موجود ہے اس حقیقت کا پالینا کس قدر مشکل ہے یہ سوچ کر اداسی پیدا ہوتی ہے اس صورت حال کو تبسم کاشمیری نے عجب اندازِ مستانہ سے بیان کیا ہے۔

اداسیوں کی رت بھی کیا عجیب ہے
کوئی نہ میرے پاس ہے

تم تو میرے پاس ہو
مگر کہاں
ہوا کی خوشبوؤں میں سبز روشنی کی دھول میں
دل میں بجتی تالیوں کے پاس
اداسیوں کے زرد بال جل اٹھے تھے اس گھڑی
تمہاری سرد یاد کے سفید پھول کھل اٹھے تھے جس گھڑی
نظر میں اک سفید برف گر رہی تھی دور تک
سرخ بلبلیں کھل اٹھی تھیں یاد کی چھتوں کے پاس
اُداسیوں کی رُت بھی کیا عجیب ہے
یاد کی چھتوں پہ سرخ پھول ہیں
دُور دُور سبز روشنی کی دُھول ہے
اور برف گر رہی ہے خاشی کے سرد جنگلوں کے پاس

یہ سب مادیت کے ثمرات ہیں لیکن یہ حقیقت نہیں ہیں شاعر کو اس حقیقت کی تلاش ہے جو مل جائے تو یہ اداسی کی کیفیات ختم ہو جائیں۔ دنیا کو ایسا نہیں ہونا چاہیے ہم نقلی اشیا کے بھنور میں گھرے ہوئے ہیں کاش کوئی راز حقیقتا فشاں کر دیتا اور انسان اداسیوں کے جنگل سے نکل جاتا تمام نظارے اور مناظر قدرت میرے پاس ہوتے ہوئے بھی میرے پاس نہیں ہیں چونکہ یہ تو ایک شاہد ہیں۔ان کے عکس تغیر پذیر ہیں اور بدلتے رہتے ہیں ان کی کوئی مستقل صورت گری نہیں ہے۔ان کا تغیر پذیر ہونا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حقیقی نہیں ہیں۔دریا ہر لمحے بدلتا رہتا ہے اس لئے مستقل طور پر ایک دریا میرے پاس نہیں ہوسکتا زمانہ ہر لحہ مبدل ہوتا ہے اس لئے میرے پاس نہیں رہ سکتا۔ مادہ اپنی ہیت بدلتا رہتا ہے وہ میرے ساتھ نہیں رہ سکتا اس لئے میں تنہا ہوں اور اداس ہوں مراد یہ ہے کہ حقیقت مطلق کے ملنے تک اداسیاں چھائی رہیں گی۔ مادیت پسند وجود کو حقیقی قرار دیتے ہیں جبکہ تغیراتِ وجود فی الواقع حقیقت کا مصداق نہیں ہیں۔ جامع اور واضح تغیرات وجود اس موقف کی نفی کرتے ہیں وجود کے تغیرات اسے حقیقی قرار دینے میں مانع ہیں اس لئے جو کچھ مادیت پسندی سے متضاد ہے ادب میں اسے مثالیت پسندی سے تعبیر کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔اس طرح ادب میں مثالیت پسندی دو اجزا پر مشتمل ہے۔ پہلا جز و ہے عینیت یا تصوریت جو عینی دنیا سے بالاتر ہے مثالیت ہے دوسرا جزو یہ ہے کہ اشیا جیسی کہ وہ نظر آتی ہیں حقیقی نہیں ہیں بلکہ جیسی انہیں ہونا چاہیے وہ حقیقت ہے۔ جب یہ کہا جائے کہ کسی شے کو ایسا ہونا چاہیے تو اس کے مزید دو اجزا سامنے آتے ہیں۔ایک جز وہ ہے جو تخلیق کار کے ذہن میں بصورت مدرکہ وجود پاتا ہے جبکہ دوسرا جز وہ ہے جو حقیقتِ مطلق کا مصداق ہو اور حقیقتِ حقیقی کی مدد سے حاصل ہوا ہو۔ یہ دونوں صورتیں مثالیت پسندی کو جنم دیتی ہیں۔مختصراً یہ کہا

جا سکتا ہے کہ جو مادیت پسندی کا متضاد ہے وہ مثالیت پسندی کا غماز ہے۔

تبسم کاشمیری نے موجوداتِ مکنون اور وجود ظاہری کو حقیقت سے تعبیر نہیں کیا یوں مکنونات اور مظاہرات کے برعکس حقیقت کو تلاش کرنے کی کوشش کی ہے اس اندازِ فکر کو وہ اس طرح اختیار کرتے ہیں کہ مظہریت کو زہریلی طناب پر محمول کرتے ہیں یہ زہریلی طنابیں کاٹ کر اصلی الاصول کی دریافت ممکن ہے۔کاہن کی صدا میں کوئی وزن نہیں ہے یہ جو برج ہیں یہ بے وزن اور بے وقعت ہیں ان کا حقانیت سے کوئی تعلق نہیں وہ جو وجود وہتی کو حقیقت جان رہے ہیں وہ سیدھا دیکھنے سے قاصر ہیں ان کا راز ویہ نگاہ غلط ہے چونکہ وہ الٹے لٹک رہے ہیں۔خود کو سیدھا کر کے دیکھنے سے حقیقت مطلق تک رسائی ممکن ہوگی۔اندھیروں میں بھٹکنے اور غیر حقیقی کو حقیقت جان لینے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔یہ زہریلی طنابیں راستے کی رکاوٹ ہیں اور گھٹاٹوپ اندھیروں میں بھٹکنے والے ہاتھ مار رہے ہیں اور غیر حقیقی کو سمجھ نہیں پا رہے انہیں ایک ایسی روشنی کی ضرورت ہے جو سیدھے زاویہ میں سفر کرتی اور راہِ حق دکھلاتی ہے۔راہ حق کا پتا دیتی ہے اس عکسی دنیا کے اندھیرے کو حقیقت سمجھنے اور الٹا لٹکے رہنے سے حقیقتِ مطلق تک رسائی ممکن نہیں۔ سوچ پر جو پہرہ بٹھایا ہوا ہے اسے پہرہ داری سے دُور کر دو اور زہریلی طنابوں کو کاٹ کر تاریکی پھیلانے والے خیمہ کو گرا کر روشنی پھیلا دو۔جب روز روشن عیاں ہوا تو راہ میں حائل پردہ چاک ہو کر حقیقت کی منزل نظر آئے گی اور معلوم ہوگا کہ وہ وجود جو ظاہری دنیا میں حقیقت کے طور پر جانا گیا وہ مظہریت کے سوا کچھ نہیں۔انسان جو مالاؤں کے گرد طواف کرتا ہے وہ فریب ہستی کا شکار ہے یہ اندھے عقیدے ہم تک پہنچنے میں بہت بڑی رکاوٹ ہیں اب زمانے نے کروٹ بدل لی ہے اور عقیدتوں کے تلوے گھس کر حقیقتیں آشکار ہو چکی ہیں موجودات کی حیثیت اور حقیقت مطلق کے درمیان جو پردہ حائل ہے وہ زہر قاتل سے کم نہیں اس پردے کو کاٹ کر اس حقیقت کو جان سکتے ہیں جس کے عکس کو ہم حقیقت سمجھ رہے ہیں تبسم کاشمیری نے انوکھے اور اچھوتے انداز میں کہتے ہیں:

کاہنوں کی بے وزن صدائیں اور کھوکھلے برج خوف کیسا
تم دیوار میں کھلی گاڑتے رہنا
یہاں ہم سب الٹے لٹک رہے ہیں
زہریلی طنامیں کاٹو روشنی کا سیلاب اُمڈ پڑے گا
مالاؤں میں کچھ نہیں ہے
عقیدتوں کے تلوے گھس چکے ہیں
ان کیپسولوں میں روشنی کہاں۔عفونت کی صبا اٹھ رہی ہے
بے ذائقہ سچائیاں بے یقینی کی جس میں،تاب کاردن
الکوحل سے بھرپور پیٹوں پہ ہاتھ پھیرو
عقیدوں کی کھال یہ سوجن ہے

زہریلی طنابیں کاٹو، روشنی کا سیلاب امڈ پڑے گا۔

اس نظم میں تبسم کاشمیری واضح طور پر مادیت پسندی کی نفی کرتے ہیں جبکہ مثالیت پسندی ان کے موقف سے مترشح ہوتی ہے موجودات کو تاریکی سے تعبیر کرتے ہیں۔فضا تیرہ و تار اس لئے ہے کہ حقیقت اور مظاہر کے درمیان ایک پردہ حائل ہے یہ پردہ روشنی پھیلانے میں رکاوٹ کا باعث ہے۔حقیقت کی روشنی اس وقت تک نہیں مل سکتی جب تک یہ طناب کاٹ نہ دی جائے اگر طناب موجود ہے تو اندھیرا موجود رہے گا طناب کٹ جائے گی تو حقیقت واضح ہو جائے گی۔دراصل حقیقت اندھیروں میں گم ہے اور موجودات کو حقیقت جان کر حقیقت مطلق کی تلاش کا عمل شروع نہیں کیا جا سکتا۔مظاہر کو حقیقت ماننا عقل سے بالاتر ہے حقیقتِ مطلق کی دریافت عقل پر منحصر ہے۔یہ امر مسلم ہے کہ کائنات میں موجودات حواس کے ذریعہ عینی دنیا سے ذہنی دنیا میں منتقل ہوتے ہیں جبکہ حواس سے حاصل شدہ حقیقت فی الواقع حقیقتِ حقیقی کی عمدہ شاہد نہیں ہوتی اس لئے حواس سے حاصل شدہ مواد مادی ہے اور حقیقت کا غماز نہیں ہے اس کی موجودگی میں جو کچھ زیرِ نظر ہے تبسم کاشمیری کے نزدیک فضا کو تیرہ و تار کرتا ہے اور تیرگی حقیقت سے دور کرنے کا سبب بنتی ہے۔مثالیت پسندی یہ کہتی ہے کہ مادہ حقیقت کا عکس ہے تبسم کاشمیری جب مادہ کو تیرہ و تار سمجھتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہوا کہ وہ اسے غیر حقیقی قرار دیتے ہیں تیرگی کے پردے کو چاک کر کے روشنی کا حصول حقیقت مطلق تک رسائی کا سبب بنتا ہے باالفاظ دیگر مادہ اندھیرا اور لاعلمی ہے جبکہ اس کا متضاد حقیقت ہے یا حقیقت کی جانب رہنمائی کرتا ہے۔تبسم کاشمیری کے نزدیک تیرگی نہیں ہونی چاہیے بلکہ ہونا یہ چاہیے کہ طناب کو توڑ کر حقیقت کی منزل کی دریافت کا عمل شروع کرنا چاہیے۔تبسم کاشمیری نے موجودات کو واضح طور پر تاریکی تو کیا ہے لیکن اسے گیر حقیقی کہنے میں تامل سے کام لیا لیکن کلام کے بطن میں جھانکنے، جاننے اور تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک مادہ غیر حقیقی، تیرہ و تار اور فضول ہے جبکہ حقیقت اس تاریکی کو عبور کرنے کا نام ہے۔مادیت کا تضاد حاصل کرنا حقیقی ہے اور یہ ہی مثالیت پسندی ہے کائنات لامحدود ہے نظام کائنات انسان کی تفہیم کے لئے ایک عنوان ہے انسان اس کائنات میں اس قدر چھوٹا ہے کہ اس کی حیثیت ایک ذرہ ناچیز سے بھی کم تر ہے لیکن بیک وقت انسان عالم اکبر ہے اور اتنا وسیع ہے کہ کائنات کی تمام وسعتیں اس کے ذہن میں سما جاتی ہیں۔انسان کائنات میں موجود ہے اور کائنات کا ایک وجود بھی ہے۔حواس کی مدد سے کائنات کے موجودات کو عینی دنیا سے ذہنی دنیا میں منتقل کر کے حقیقی اور غیر حقیقی کا تعین کرنے کی صلاحیت سے مالا مال ہے لیکن تبسم کاشمیری انسان کو ایک گم شدہ پرندے سے تعبیر کرتے ہیں۔یہ اپنا آشیاں کھو بیٹھا ہے جیسا یہ ہے اسے ایسا نہیں ہونا چاہیے۔یہ کائنات کے راز ہائے سربستہ کا انکشاف کر سکتا ہے لیکن یہ موجودات کو حقیقت تصور کر بیٹھا جبکہ کائنات میں موجودات ظاہری و باطنی حقیقت نہیں ہیں۔انسان انہیں حقیقت قرار دے بیٹھا اور گم گشتہ آشیاں ہو کر سلطنت کے رموز سے بانیاز ہو گیا یہ حقیقت ہے کہ انسان جس دنیا کو حقیقی سمجھ رہا ہے وہ حقیقت کا پرتو ہے اس لئے ایک گم شدہ پرندے کی مانند ہراساں پریشان ہو گیا ہے یہ ایک ایسا پرندہ ہے جو مادیت کی اندھیری راہوں میں گم ہو گیا ہے۔اسے کچھ سجھائی نہیں دے رہا کچھ سمجھ میں نہیں آتا نہ راستے

کا علم ہے اور نہ منزل کے نشان سے آشنا، اڑتا چلا جا رہا ہے۔فضا بسیط کے سمندر میں گویا بہتا جا رہا ہے۔اس طرح بہتا جاتا ہے جیسے سمندر کی لہروں کے تھپڑے اسے اپنی مرضی سے بہا کر لے جا رہے ہیں۔نہیں معلوم کہ کب کہاں پہنچ پائے گا۔ یہ کیفیت اسے خون کے آنسو رلاتی ہے وہ حقیقت حال کو جاننے سے قاصر ہے۔تلاش جاؤں منزل میں برگرداں افتاں وخزاں چلا جا رہا ہے تبسم کاشمیری نے انسان کو ایک ایسے پرندے سے تشبیہ دی ہے جو حقیقت سے بے خبر منزل کا پتا معلوم کئے بغیر اڑا چلا جا رہا ہے۔کہیں رک کر ٹھہر کر بیٹھ کر سوچتا ہی نہیں ہے کہ حقیقت کیا ہے؟ خبر ہی نہیں کہ مفہوم جہان رنگ و بو کیا ہے۔اسے علم ہی نہیں کہ موجودات کس کا عکس ہے۔حقیقت کہاں پنہاں ہے جو موجودات پیدا ہیں ان کا وجود کیسے قائم ہوا کس حقیقت کے تابع اور کس تصور کی بنیاد پر یہ عکس ہمارے روبرو ہے۔

انسان کو ایک گم شدہ پرندہ قرار دے کر کہتے ہیں:

پرندہ رات کے گنبد میں
اڑتا جا رہا ہے
پرندہ رات کے پانی میں
بہتا جا رہا ہے
پرندہ رات کے دریا میں
روتا جا رہا ہے
پرندہ رات کی بارش میں
کب سے بھیگتا ہے
رستہ ڈھونڈتا ہے
پرندہ رات کے گنبد میں
گرتا جا رہا ہے

مذکورہ کلام میں انسان کو گم گشتہ آشیاں پرندہ اس امر کا غماز ہے کہ انسان کی موجودہ صورت اور اس کے افکار تسلی بخش نہیں ہیں۔انسان اس حقیقت سے بے خبر ہے کہ یہ کائنات کس کا آئینہ ہے اس کائنات میں جو کچھ نظر آرہا ہے اسے عکس تصور کرنے کی بجائے اس کی حقیقت میں گم ہو جانے کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان کے افکار منجمد ہو گئے ہیں انسان نے جس سمت میں سفر کرنا تھا وہ راستہ ترک کر کے فضاؤں میں بھٹکتا پھر رہا ہے۔انسان کو یہ معلوم ہی نہیں کہ مادی دنیا اس کی منزل نہیں۔حالات کے گہرے سمندر میں بہتا رجا رہا ہے مراد یہ ہے کہ وہ سوچنے سے عاری ہو گیا ہے۔اگر سوچتا بھی ہے تو اس حقیقت کو نہیں سوچتا جو حقیقتِ مطلق ہے بلکہ کائنات میں موجود کو حقیقت سمجھ رہا ہے اس لئے وہ حقیقت کی منزل کے راستہ سے بھٹک گیا ہے۔اس کا اصلی مسکن وہ حقیقت ہے جس کے عکس سے کائنات کا وجود ہے عکس کو حقیقت مان کر گمشدگی کے سوا کچھ حاصل نہیں۔یہ نظم مادیت پسندی کی نفی ہے اور اس حقیقت کا سراغ لگانے کی

دعوت دیتی ہے جو اصلی ہے اور اس کے بغیر انسان بھٹکتا پھرتا ہے جب تک اصلی نامعلوم کو معلوم نہیں کر لے گا اور عکس کو حقیقت مان کر الجھا رہے گا منزل سے بے خبر رہے گا۔ انسان اس وقت تک تنہا رہے گا جب تک حقیقت مطلق سے نہیں جا ملے گا۔ انسان کا غم واندوہ، موسم خزاں اور مصائب وآرام اس لئے ہیں کہ انسان حقیقت سے بیگانہ ہے تبسم کاشمیری حقیقتِ مطلق کی طرف توجہ مبذول کراتے ہیں اور وہ بیان کرتے ہیں جیسا کہ حقیقت میں ہونا چاہیے، تنہائی اور بے بسی کا مواد تلاش کرتے ہیں۔ انسان کی فکری تنہائی کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

پرندہ آج تنہا ہے
خزاں کے سرد موسم میں
پرندہ نیند بھرتا ہے
ہوا کے زرد منظر میں
پرندہ آج غمگین ہے
خزاں کی زرد شاخوں پر
پرندہ گرتا جاتا ہے
خزاں کے زرد رستوں پر
پرندہ زرد آنکھوں سے
یہ منظر دیکھ کر چپ ہے
پرندہ تھک کے سویا ہے
خزاں کی زرد راتوں میں

اس نظم کے بطن میں موجود ایک پنہاں حقیقت کا ادراک کرنے کے لئے تخلیق کار کے خاطر مکنون میں موجود پوشیدہ حقیقت کو افشاں کرنا ضروری ہے۔ ہر تخلیق کی اساس پر ایک حقیقت کارفرما ہوتی ہے۔ اگر وہ حقیقتِ مظہریت محض ہو تو کائنات کے رموز سے پردہ اٹھانا ممکن نہیں ہوتا۔ رموز مخلوقات اور اسرار کائنات ظاہری حقیقت پر محمول نہیں بلکہ حقیقت ظاہرہ کو عکس مان کر حقیقتِ مطلق کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ مطاہر ترمذی نے عقلیاتی تنقید کے ضمن میں چار حقیقتوں کی جانب توجہ مبذول کرائی ہے۔ ان کے نزدیک خدا، انسان، کائنات اور عقل وہ چار عنوانات کی دریافت کے عمل سے حقیقتِ حقیقی دریافت ہو سکتی ہے۔ تبسم کاشمیری نے پرندہ کو آج تنہا قرار دیا ہے مراد یہ ہے کہ انسان اپنی ذات کا کھوج لگانے سے قاصر ہے اس لئے عالم اکبر ہونے کے باوجود خدا اور کائنات کی حقیقت تک رسائی سے قاصر ہے۔ یہ چاروں موضوعات ایک دوسرے متعلق ہیں۔ متعلقات سے علیحدگی اختیار کر کے تنہائی کو شعار بنانے سے ان کی حقیقت سے آشنائی ممکن نہیں رہتی۔ تبسم کاشمیری انسان کی تنہائی پر نوحہ کناں ہیں وہ اس بات پر مات و ماتم وحیران و ششدر ہیں کہ انسان عقل کا حامل ہونے کے باوجود عقل سے جدا اور تنہا ہے۔ کائنات کے رموز کو معلوم کر لیا

جائے تو انسان کو اس عکس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی اور پھر اپنی ذات کی پہچان کرنے کے قابل ہوگا جس کے نتیجہ میں خدا کی معرفت حاصل ہو کر مادیت پسندی سے دور ہو جائے گا دراصل تبسم کاشمیری یہ چاہتے ہیں کہ انسان کو تنہائی سے نکلنا چاہیے اور عکس کائنات پر قانع ہونے سے احتراز کر کے اس کی اصل نامعلوم کو معلوم کر کے موجودات کو عکس مان کر حقیقت کے سفر میں تلاش کے عمل سے بہرہ مند ہو جائے۔ جب تبسم کاشمیری کے کلام میں مثالیت پسندی کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم یہ ہوتا ہے کہ وہ عکسی دنیا کے انسان کو تنہا محسوس کرتے ہیں اس کی بنیادی وجہ یہ نظر آتی ہے کہ حقیقی دنیا سے تعلق کے بغیر انسان تنہا ہی ہوتا ہے انسان کی اس تنہائی کو تبسم کاشمیری نے محسوس کیا اور پرکھا۔ جس کے نتیجہ میں یہ بات سامنے آئی کہ موجودات عکس ہیں اس لئے انسان کا ان کے ساتھ رشتہ قائم نہیں ہوتا اور انسان احساس تنہائی کا شکار ہے اس تنہائی کا احساس کر کے تبسم کاشمیری کہتے ہیں:

رات بھر بہتا ہے پانی
پتھروں پہ
اور ڈھلوانوں کے سوئے جسم پہ
رات بھر بہتا ہے پانی
ساحلوں پہ
اور ان کی ریت پہ
رات بھر بہتا ہے پانی
اک شجر پہ جاگتے
تنہا پرندے کی
اداس آنکھوں
کی گہری جھیل سے

ان سب کے ہوتے ہوئے انسان یکا و تنہا دنیا و مافیا سے بے خبر نہ کوئی سنگی نہ کوئی ساتھ ہونے کا شکوہ کرتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تبسم کاشمیری کے نزدیک یہ مادی وجود انسان کی روح کی غذائیں ہیں۔ روح کی تڑپ نے انسان کو تنہا کر دیا وہ اس شے کا متلاشی ہے جو روح کا ساتھ دے سکا۔ یہ عکسی دنیا اس کے جان و دل سے ہم آہنگ نہیں ہے اسے اس شے کی تلاش ہے جو حقیقت ہے وہ عکس کو دیکھتا ہے تو دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ میرا ساتھی نہیں ہو سکتا مجھے آئینہ کی ضرورت نہیں میں آئینہ ساز کا متلاشی ہوں۔ میں عکس یار کا نہیں یار کا خواہاں ہوں میں نقلی اشیا کا نہیں حقیقی کا متمنی ہوں۔ حقیقت کی دریافت کی خواہش اسے عکسی دنیا سے بیگانہ کر دیتی ہے تبسم کاشمیری انسان کی تنہائی کو محسوس کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ انسان کی رسائی حقیقتِ مطلق تک ہونی ضروری ہے۔ یہ مادی دنیا منزل مقصود نہیں۔ اس سے انسان کا سروکار نہیں انسان دنیا میں تمام تر مظاہر قدرت کے باوجود ان سے یگانگت کا حاصل نہیں

جوں جوں عکسی دنیا پر نظر پڑتی ہے توں توں حقیقی دنیا کے حصول کی حسرت پیدا ہوتی ہے۔حقیقتِ مطلق کی دریافت سے قاصر انسان تنہائی کے گہرے غماز میں گر جاتا ہے۔

دیما قریطس کا قول ہے:''مسرت خارجی اسباب اور ساز و سامان سے حاصل نہیں ہوتی اس کا سر چشمہ خود انسان کے اپنے بطون میں ہے۔''۱۸

تبسم کاشمیری کا کلام شاہد ہے کہ وہ انسان کو تنہا محسوس کرتے ہیں۔ان کے نزدیک انسان کے گردونواح کے حالات و واقعات اس کے لئے مسرت کا سامان بہم نہیں پہنچاتے۔خارجی اسباب اور ساز و سامان اس لئے بھی مسرت و انبساط کا باعث نہیں ہیں۔چونکہ ان کی حیثیت و اہمیت سایہ سے زیادہ نہیں ہے۔انسان کے بطون میں انبساط کا ظہور اس وقت ممکن ہے جب وہ نظر آنے والے سایوں کی حقیقت سے آشنا ہو۔انسان اندر سے نشاط محسوس کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن یہ اس وقت ممکن ہے جب انسان کو بیرونی دنیا میں موجود سایوں کی اصلیت تک پہنچنے میں کامیابی ہو۔بیرونی دنیا کے مظاہر قدرت حقیقی نہ ہونے کی بنا پر یہ سایہ کی طرح ساتھ رہتے ہیں کبھی انہیں خواب سے تعبیر کیا جاتا ہے تو کبھی بھولے بسرے چہرے کی یاد لالہ و گل میں نمایاں ہونے والے صورتیں اصل نہیں ہیں بلکہ جن صورتوں سے یہ وجود پاتے ہیں وہ زیر زمین پنہاں ہیں۔مظہریت ایک حقیقت کے طور پر سامنے آتی ہے تو کبھی دھند کی آواز ہوتی ہے کبھی دھوپ کی رفتار، جنتاں میں گلوں کا وجود خوشبو کا اظہار ہوتا ہے۔دنیا میں جو جو کچھ ہے وہ انسان کے ساتھ رہنے کے باوجود ازلی اور ابدی مسرت کا باعث نہیں بنتا اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی اشیا جو حقیقت نہیں ہیں باعث مسرت نہیں ہوتیں۔جب ذہن انسانی اس حقیقت کو پالیتا ہے جس کا عکس ان اشیا میں نمایاں ہوتا ہے تو ایسے عالم میں انسان مسرت پاتا ہے۔انسان کی عمر گراں مایہ اس حال میں گزرتی ہے کہ کوئی اس کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے لیکن یہ ساتھ چلنے والا سایہ عکسِ لاحاصل کے سوا کچھ نہیں۔غیر حقیقی کا انسان کے ساتھ ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟اس سلسلہ میں تبسم کاشمیری کہتے ہیں۔

چل رہا کون میرے ساتھ ساتھ

یہ ہے سایہ
یا کسی سپنے کی کایا؟
یا کسی گزرے موسم کی چاپ؟
یا کسی بھولے ہوئے چہرے کی یار
کون ہے یہ ساتھ ساتھ؟
یہ دھند کی آواز ہے
یہ دھوپ کی رفتار سے
یا ایک خوشبو کا سفر؟

یا پھول کھلنے کی خبر؟
یہ راستے کی دھول ہے؟
یا شام کے ساحل پہ اک
تاریخ موسم کی ہوا
چل رہا ہوں دیر سے میں
چل رہا ہے دیر سے
شام کے پتوں بھرے ان راستوں پہ
کون ہے؟
ساتھ میرے کون ہے؟

یہ نظم جو سوال کر رہی ہے کہ کون ہے دراصل یہ جواب دے رہی ہے کہ کوئی نہیں کوئی نہیں یہ جو کچھ ہے وہ کچھ بھی نہیں ہے۔عمر گراں مایہ بسر ہو رہی ہے میں چلا جا رہا ہوں۔کوئی حقیقت میرا ساتھی نہیں بن سکی چونکہ میں اس حقیقت مطلق کو دریافت کرنے سے قاصر رہا ہوں۔جس کے سائے میرے ساتھ ساتھ رہتے ہیں، میرے لئے یہ اجنبی اس لئے ہیں کہ یہ حقیقت نہیں ہیں۔مجھے ان کے ساتھ چلنے سے کوئی مسرت حاصل نہیں ہوتی۔مسرت حاصل ہو بھی نہیں سکتی مسرت تو میرے بطون کا جز ولازم ہے جو اس وقت ظاہر ہو سکتی ہے جب میرے ساتھ حقیقت چلنے لگے۔میں حقیقتِ حقیقی کو دریافت کر کے ان تمام سایوں اور عکسوں کو مٹا نہ بھی سکوں تو بھلا دوں۔حقیقت کی منزل نہ ملنے کی وجہ سے حواس و خیال، بھولے بسرے انسانی شکل کے دوست دھوپ چھاؤں خوشبو جو بھی رنگ و روپ دنیا میں ہے وہ میرے ساتھ ضرور ہے لیکن سوال یہ ہے کہ یہ کیوں ہیں یہ وہ ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں میرے ساتھ چلنے کے لئے کاش حقیقت ہوتی۔حسرت و یاس کی کیفیت اس لئے طاری ہے کہ میں جانتا ہوں کہ جو کچھ بھی اس جہان رنگ و بو میں ہے وہ کچھ بھی نہیں ہے۔

تبسم کاشمیری کے کلام کا یہ خاصا ہے کہ وہ رمزیہ کلام کرتے ہیں۔ان کے کلام کی دو تہیں ہیں ایک ظاہری صورت اور دوسری وہ ہے جو کلام کے بطون میں پائی جاتی ہے وہ اشاروں میں باتیں کرتے ہیں۔دنیا کے موجودات کی کم مائیگی اور حقیقت کے وجود کی خواہش ان کے کلام کا خاصا ہے ان کے کلام میں جابجا یہ افکار موجود ہیں کہ مادیت پسندی حقیر ہے اور مثالیت پسندی ہی وہ منزل ہے جو وہ کچھ بتاتی ہے جو کچھ کہ فی الواقع ہونا چاہیے۔ان کی چاہت حقیقتِ مطلق کی دریافت ہے۔

حواشی:

۱۔ مطاہر ترمذی،عقلیاتی تنقید،(لاہور: دارالشعور پبلی کیشنز،۲۰۱۵ء) ص ۱۷

۲۔ علی عباس،جلال پوری،روایاتِ فلسفہ،(لاہور: المثال ٹرسٹ بلڈنگ،۱۹۶۹ء) ص ۶۴

۳۔ ایضاً،ص:۲۶

5. J.A.Cuddon,Dictionary of Literary Terms and Literary Theory, (New York:Penging Books,1977)P.93

۵۔ علی عباس،جلال پوری،روایاتِ فلسفہ, ص ۳۸

۶۔ ایضاً،ص ۴۱

۷۔ ایضاً،ص ۴۸

۸۔ ایضاً،ص ۵۸

۹۔ ایضاً،ص ۶۳

۱۰۔ ایضاً

۱۱۔ علی عباس،جلال پوری،مقالات جلال پوری،(لاہور:تخلیقات،۲۰۱۰ء) ص ۶۷

12. Jeremy Munday,Translation Studies:Theories and Applications, UK,Roultedge,2001,P.70

13. George lordon byren, she walks in beauty (poetry) N.Y, 2004,P.56

14. Marshal Vian Summers step to know ledge. Publisher calalogrief in public, 1999,P.87

15. Terry Eagletion, Litrary Theory Page 5 Black Wall Publication, Ltd, 1996,P.121

16. Marshal Vian Summers step to know ledge. Publisher calalogrief in public, 1999,P.212

17. Terry Eagletion, *Litrary Theory Page 5 Black Wall Publication, Ltd,* 1996,P.121

18. A.Cuddon,Dictionary of Literary Terms and Literary Theory, (New York: Penging Books,1977)P.99